بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ جرمنی

اخبار احمدیہ

جماعت احمدیہ جرمنی کا ترجمان

جلد نمبر۔12 مدیر: نعیم احمد نیّر کتابت و ڈیزائننگ؛ رشید الدین، ماہ۔نبوت۔ہش،1386 بمطابق۔نومبر 2007ء شمارہ نمبر 12

احکام خداوندی

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کر رہے ہو تو اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو اور جو تم پر سلام بھیجے اس سے یہ نہ کہا کرو کہ تُو مومن نہیں ہے۔ تم دنیاوی زندگی کے اموال چاہتے ہو تو اللہ کے پاس غنیمت کے کثیر سامان ہیں۔ اس سے پہلے تم اسی طرح ہوا کرتے تھے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ پس خوب چھان بین کر لیا کرو۔ یقیناً اللہ اس سے جو تم کرتے ہو بہت باخبر ہے۔ (سورۃ النّسآء، 95، ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ۔)

(نوٹ حاشیہ) اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر رستہ چلتے کو دشمن سمجھ کر اس پر تشدد کی اجازت نہیں۔ کسی شخص کو پہچاننے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ تمھیں سلام کہے۔ تعجب ہے کہ اس بگڑے ہوئے زمانے میں بگڑے ہوئے علماء، سلام کہنے کے نتیجہ میں تشدد کرتے ہیں۔

حدیث النّبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے ایسے مرد پر کہ جو رات کو نماز پڑھنے کے لئے اُٹھتا ہے اور اپنی بیوی کو جگاتا ہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالتا ہے۔ رحم کرے اللہ تعالیٰ اس عورت پر کہ رات کو نماز کے لئے اُٹھتی ہے اور اپنے خاوند کو جگاتی ہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر چھینٹے ڈالتی ہے۔ (ابوداؤد۔ بحوالہ کتاب پیارے رسولؐ کی پیاری باتیں، صفحہ 126)

حقائق الفرقان (از حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ)

نونشانات

(حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سورۃ بنی اِسرآئیل کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں)

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ..(سورۃ بنی اِسرآئیل۔۱۰۲).. تِسۡعَ اٰیٰتٍ .ان نونشانوں کے بیان میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں نو احکام دئے۔ بعض کہتے ہیں کہ نو نشان تھے۔ دونوں قسم کے نشان بیان کرتا ہوں۔ ۱۔ عصا ۲۔ یدِ بیض ۳۔ طوفان ۴ ٹڈی دل ۵۔ چچڑیاں ۶۔ مینڈکیاں ۷۔ خون کا مرض ۸ قحط پڑا۔ ۹ پلوٹھے مر گئے۔

احکام یہ ہیں۔ ۱۔ شرک نہ کرو۔ ۲ چوری نہ کر۔ ۳ زنا نہ کر ۔۴ بے وجہ قتل نہ کر۔ ۵ کسی نیک عورت کو تہمت مت دو ۶۔ جنگ میں مت بھاگو ۷۔ مثبوراً۔ ۸ محبوس۔ ۹ ملعون

چونکہ حضرت موسیٰؑ کو نرمی سے کلام کرنے کا ارشاد تھا اس لئے بھی شاید فرعون کو محبوس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف بھی ایک موسیٰ (حضرت سیّدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) تِسۡعَ اٰیٰتٍ کے ساتھ بھیجا۔ پس جو ان کے خلاف کرتا ہے وہ بھی فرعون کی طرح مثبور یعنی رسومات اور عادات میں محبوس ہے۔ شرک مت کر۔ ناجائز روپیہ نہ کماؤ۔ نہ ناجائز طور پر خرچ کرو۔ زنا نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ کسی کو دُکھ نہ دو۔ قتل نہ کرو۔ اکڑ بازی سے نہ چلو۔ کسی کو بے جا گالی مت دو۔ مقابلہ کے وقت مت بھاگو۔ بیاج نہ کھاؤ۔ غضب۔ رسوم۔ عادات کی پابندی چھوڑ دو حرص میں نہ بڑھو۔ غفلت نہ کرو۔ علم حاصل کرو تو اس پر عمل بھی کرو۔ اپنی جانوں پر رحم کرو۔ آئندہ آنے والی قومیں تمھارا نمونہ پکڑیں گی۔ پس تمھارا فرض نازک ہے

(بحوالہ حقائق الفرقان جلد دوم، صفحہ 572-573)

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ایک دوست نے عرض کی کہ مخالفین نے ہم کو سلام کہنا چھوڑ دیا۔ فرمایا!

تم نے اُن کے سلام سے کیا حاصل کر لینا ہے۔ سلام تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ خدا تعالیٰ کا سلام وہ ہے جس نے ابراہیمؑ کو آگ سے سلامت رکھا۔ جس کو خدا کی طرف سے سلام نہ ہو بندے اس پر ہزار سلام کریں اس کے واسطے کسی کام نہیں آ سکتے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ (ترجمہ۔ ''سلام کہا جائے گا ربِّ رحیم کی طرف سے'') (یٰسٓ ۵۹)۔

ایک دفعہ ہم کو کثرتِ پیشاب کے باعث بہت تکلیف تھی، ہم نے دعا کی، الہام ہوا ''اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ''۔ اسی وقت تمام بیماری جاتی رہی۔ سلام وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو، باقی سب رسمی سلام ہیں۔ (ملفوظات جلد 9 صفحہ 318)

تعلیمی منصوبے کے اغراض و مقاصد

حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ) نے تعلیمی منصوبے کے جو اغراض و مقاصد بتائے ان میں سے بعض حضور کے ہی الفاظ میں یہ ہیں۔

۱۔ اس منصوبہ کو جاری کرنے سے میرا مقصد یہ ہے اور میری تمام تر دلچسپی اس بات میں ہے کہ قرآن کریم کے علوم کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے جلووں کا جو کائنات ارضی و سماوی میں ہر آن ظاہر ہو رہے ہیں آیات قرار دے کر اور ان پر غور کرنے والوں کو اولوالالباب قرار دے کر دنیوی علوم کو روحانی علوم کی طرح ہی اہم قرار دیا ہے اور ان دونوں علوم کو ایک دوسرے کا ممد و معاون ٹھہرایا ہے۔ اس منصوبہ کی اہمیت یہ ہے کہ افراد جماعت کو دنیوی علوم سے درجہ بدرجہ آراستہ کر کے ان میں قرآنی علوم و معارف سے بہرہ ور ہونے کی اہلیت پیدا کی جائے

۳۔ جتنی مادی علوم کی تحصیل تم کرو گے اتنا ہی زیادہ صفات الٰہیہ کے جلووں سے تمھیں آگاہی حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صفات اور کائنات پر ظاہر ہونے والے ان صفات کے جلووں کا علم حاصل کرو تا کہ تمہاری معرفت ترقی پذیر ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے حقیقی عبد بنو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ تم دینی علوم بھی حاصل کرو اور ہر مادی علم بھی سیکھو۔ ''ہم کو خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہم اس کے قریب ہوں اور اس کی ذات کا عرفان حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کا علم رکھتا ہے اور دنیا کے تمام علوم کیمسٹری، حساب، فزکس، جغرافیہ، فلکیات وغیرہ وغیرہ اس کی صفات کے مظہر ہیں اور جتنا زیادہ آپ ان علوم کو حاصل کرتے جائیں گے اتنا زیادہ آپ خدا کی صفات کا علم حاصل کر سکیں گے......اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ اس کی صفات کا علم حاصل کریں اور دنیا کی ہر سائنس پڑھیں۔''

۴۔ ہم اسلام کو اس وقت تک نہیں پھیلا سکتے جب تک یورپینوں کو تعلیم کے میدان میں شکست نہ دے دیں۔

۵۔ ہمارا اللہ بڑا مہربان اور فیاض ہے اس نے جماعت احمدیہ کو ذہین بچے عطا فرمائے ہیں۔ خدا کی یہ عظیم برکت ضائع نہیں ہونی چاہئے......یہ جماعت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سنبھالے اور ان کو اعلیٰ تعلیم دلائے.........اگر آپ اس میں کامیاب ہو گئے تو آپ دیکھیں گے کہ آئندہ دس سالوں میں دنیا بھر کے علمی میدانوں میں جماعت احمدیہ کے افراد کی تعداد بڑھ جائے گی''۔

۶۔ ''تحقیق کے میدان میں احمدیوں کو اللہ تعالیٰ کے افضال حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہئے اور تحقیق کی راہوں پر اس طرح چلیں کہ نوع انسان کے خادم بنیں''۔

۷۔ حضورؒ نے تعلیمی منصوبہ کے اغراض میں سے ایک یہ بتایا کہ ''آئندہ دس سال کے اندر اندر جماعت احمدیہ کو چوٹی کے سو سائنس دان مل جائیں''

(حیاتِ ناصر'' صفحہ 583.582)

کرۂ ارض پر زندگی کا مستقبل

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تصنیف "الہام عقل علم اور سچائی" سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔اس میں ایسے اہم نقات ہیں جن کا آج کے یورپین عوام کو بتانا اور سمجھانا انتہائی ضروری ہے ۔(ادارہ)

کیا ارتقا کی آخری منزل انسان ہے یا اس کے بعد کوئی اورمخلوق ظاہر ہوگی؟ کیا اس امر کا امکان ہے کہ دور حاضر کے انسان سے ایسی نوع بشر جنم لے جو زیادہ ترقی یافتہ اور زائد حسیات کی مالک ہو نیز نئی جہات کا فہم و ادراک رکھنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں میں ترقی کرنے کی استعداد بھی رکھتی ہو؟ مزید برآں کیا یہ ممکن ہے کہ یہ نئی نوع حیات ایک بالکل مختلف شکل و صورت اور کلیۃً نئے طرز زندگی کے ساتھ ظاہر ہو؟ ہمارے علم کے مطابق اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب نے سرے سے ان سوالات کو چھیڑا ہی نہیں۔

جہاں تک ماضی کے فلسفیوں اور دانشوروں کا تعلق ہے تو یہ اموران کی ذہنی استعداد سے ماوریٰ تھے حتیٰ کہ جدید سائنس نے بھی اس مسئلہ کو مبہم سے انداز میں بیان کیا ہے نہ ہی ان امکانات کا جائزہ لینے کے لیے باقاعدہ علمی تحقیق کا کوئی معین طریق کار وضع کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کریم کی ہی امتیازی شان ہے کہ وہ نہ صرف اس قسم کے سوالات اٹھاتا ہے بلکہ ان کا حل بھی پیش کرتا ہے۔ نیز ایسے امکانات کے بارہ میں پیش گوئی بھی فرماتا ہے البتہ حیات بعد الموت کا مسئلہ قدرے مختلف ہے جس پر تمام بڑے مذاہب نے روایتی انداز میں بحث کی ہے تاہم کسی مذہب نے مفروضہ کے طور پر بھی قیامت سے پہلے یا بعد میں نوع انسانی کے کسی اور شکل وصورت میں ارتقا پذیر ہونے کے امکان پیش نہیں کیا۔ یہاں ہم قاری کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ اگر چہ دیگر الہامی کتب میں بھی ''قیامت'' کا ذکر پایا جاتا ہے لیکن قرآنی اصطلاح اپنے معانی اور اطلاق کے لحاظ سے اپنے اندر بہت وسعت رکھتی ہے۔

قرآن کریم نے مستقبل کے کئی ایک عہد ساز اور عظیم الشان انقلابات اور تغیرات کا پیشگوئی کے رنگ میں ذکر فرمایا ہے۔ ان سب کے لیے ''قیامت'' یا اس کے مترادف ''ساعت'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے ۔اگر چہ ان اصطلاحات کے معانی معروف لفظ ''یوم الحساب'' پر بھی دلالت کرتے ہیں جس سے مراد تمام بنی نوع انسان کا خاتمہ لیا جاتا ہے اور درحقیقت دیگر صحف مقدسہ میں بھی قیامت کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔اگر چہ دیگر مذاہب کے پیرو کار قیامت کی تشریح کرتے وقت کائنات کا کلیتہً خاتمہ مراد لیتے ہیں لیکن قرآن کریم یہ اصطلاح پورے طور پر ان معنوں میں استعمال نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی رو سے زمین اس وسیع و عریض کائنات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ کسی عظیم حادثہ کے نتیجہ میں کرۂ ارض سے زندگی کا کلیتہً خاتمہ تو ممکن ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ پوری زمین ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے یا یہ کہ کائنات کی سرے سے صف ہی لپیٹ دی جائے گی۔ اس بحث کو مزید آگے بڑھانے سے قبل ہم اس باب میں کرۂ ارض پر انسان کے مستقبل یا کائنات میں کسی اور جگہ پائی جانے والی حیات کا قرآنی آیات کی روشنی میں مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم کی بعض آیات میں قیامت کے بعد اسی دنیا میں بعض واقعات کے رونما ہونے کا ذکر ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان ایک نئی ہئیت کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ پھر کچھ ایسی آیات ہیں جو قیامت کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا ذکر کرتی ہیں جن کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ آیات واضح طور پر اسی زمین پر ایک ایسے مسلسل ارتقا کا منظر پیش کرتی ہیں جو انسان سے اعلیٰ وارفع انواع حیات کی تخلیق پر منتج ہوگا۔ اس مؤخر الذکر تصور کو حیات بعد الموت کے تصور سے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ اب ہم اخروی زندگی سے تعلق رکھنے والی ایسی آیات کا جائزہ لیتے ہیں جو ان آیات سے مختلف ہیں جن میں زندگی پر مکمل طور پر ایک مختلف ہیئت اور فہم ادراک رکھنے والی زندگی کے امکان پر بحث کی گئی ہے۔ ایسے لوگ جو حیات بعد الموت کے بارہ میں شک میں مبتلا ہیں، انہیں متنبّہ کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ انہیں اخروی زندگی سے زیادہ اس کرۂ ارض پر اپنے وجود کے متعلق شک ہونا چاہئے۔ جس امر کا انہیں کامل یقین ہے وہ ان کا عدم سے وجود میں آنا ہے اور یہ کہ ان کی ہستی سے قبل نیستی تھی۔ پس جب انہیں عدم سے وجود میں لایا جاسکتا ہے تو پھر وہ اپنی دوبارہ تخلیق پر شک میں کیوں مبتلا ہیں؟ کیونکہ عدم سے وجود میں آنے کی نسبت موجودہ حالت سے دوبارہ پیدا کئے جانے کا مفروضہ منطقی اعتبار سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ یہ ان بہت سی آیات کا خلاصہ ہے جو قرآن کریم میں حیات بعد الموت کے بارے میں انسانی شکوک کے موضوع پر پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ تو مزید تحقیق کے لیے محض ایک تمہید ہے جسے بجائے خود حیات بعد الموت پر دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اس بارہ میں شک وشبہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

قرآن کریم انسان کو یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ اسے شعور کا جو بلند مقام حاصل ہے وہ اس کے لیے تاریکی کی بجائے روشنی کے حصول کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ انسان کو اپنے ماحول سے جو آگاہی اور اس سے ماوریٰ کا جو ادراک حاصل ہے اس کے نتیجہ میں اسے اپنے خالق کی ہستی کا قائل ہونا چاہئے جس سے وہ سرکشی اختیار کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کا خدا کی ہستی پر ایمان ہے تو پھر آخرت کا انکار تحیر واستعجاب کے نتیجہ میں ہی ممکن ہے یعنی یہ سوچ کہ ایسی حیرت انگیز بات سچ کیسے ہوسکتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے کہیں زیادہ حیرن کن اور ناقابل یقین ہے۔ اب ہم استخراجی دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جس کو بنیاد بنا کر قرآن کریم یہ اعلان فرماتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کے لیے عالم آخرت کا براہ راست مشاہدہ ممکن نہیں۔ انسان کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو موت سے آگے عدم محض کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ذرا انسان کی دانائی تو دیکھئے! وہ اس بات کو تو بلاحیل وحجت مان لیتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے لیکن جب اسے بتایا جاتا ہے کہ اسے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا تو وہ اس خیال کو غیر معقول اور لغو قرار دے کر رد کر دیتا ہے اس موازنہ کو بنیاد بنا کر جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ اتنی قطعی اور مستند ہے کے اس کے ادراک کے لیے کسی فلسفیانہ دماغ کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ حیات بعد الموت کی تردید کے خلاف انسان کے اپنے وجود سے بڑھ اور کوئی گواہ نہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم منکرین کے نقطۂ نظر کو نہایت معین اور واضح انداز میں بیان کر کے اس کی تردید کرتا ہے۔

اس ضمن میں چند ایک آیات درج ذیل ہیں:

وَقَا لُوامَاھِیَ اِلَّا حَیَا تُنَا الدُّنیَا نَمُوْتُ وَ نَحیَا وَ مَا یُھلِکُنَآ اِلَّا الدَّھرُ ج وَمَالَھُم بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ ج اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّونَ (الجاثیة 25:45)

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں یہ (زندگی) ہماری دُنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں۔ ہم مرتے بھی ہیں اور زندہ بھی ہوتے ہیں اور زمانہ کے سوا اور کوئی نہیں جو ہمیں ہلاک کرتا ہو۔ حالانکہ ان کو اس بارہ میں کچھ بھی علم نہیں۔ وہ تو محض خیالی باتیں کرتے ہیں۔

(سورت المومنون کی آیات 38.37.36 کا ترجمہ) کیا تمھیں یہ اس بات سے ڈراتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے۔ دور کی بات ہے، بہت دور کی بات ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ ہماری تو صرف یہی دُنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے بھی ہیں اور زندہ بھی رہتے ہیں اور ہم ہر گز اُٹھائے نہیں جائیں گے۔

(سورت مریم کی آیت 67 کا ترجمہ) اور انسان کہتا ہے کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟۔

(سورت النحل کی آیات 40.39 کا ترجمہ) اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائی ہیں کہ اللہ اسے پھر کبھی نہیں اُٹھائے گا جو مرجائے گا۔ کیوں نہیں! یہ ایسا وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس پر واجب ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تا کہ وہ ان پر وہ چیز خوب کھول دے جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور تا کہ وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا جان لیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

(سورت یٰسٓ کی آیت 79 کا ترجمہ) اور ہم پر باتیں بنانے لگا اور اپنی خلقت کو بھول گیا۔ کہنے لگا کون ہے جو ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ وہ گل سڑ چکی ہوں گی؟۔

(سورت قٓ آیت 16 کا ترجمہ) کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک چکے ہیں؟ نہیں! بلکہ وہ تو تخلیق نو کے متعلق بھی شک میں مبتلا ہیں۔

(سورت الواقعہ، آیت 49.48 کا ترجمہ) اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے کیا ہم پھر بھی ضرور اُٹھائے جائیں گے؟ کیا ہمارے پہلے آباؤاجداد بھی؟۔

(سورت الواقعہ، آیت 63.61 کا ترجمہ) ہم نے ہی تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے اور ہم باز نہیں رکھے جاسکتے کہ تمہاری صورتیں تبدیل کر دیں اور تمہیں ایسی صورت میں اُٹھائیں کہ تم اسے نہیں جانتے۔ اور یقیناً پہلی پیدائش کو تم جان چکے ہو۔ پھر کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟۔

اس طرح قرآن کریم کے ان دلائل کی روشنی میں انسان کے لئے آخرت پر ایمان لانا چنداں مشکل نہیں رہتا۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی۔

(سورت لقمان، آیت 29 کا ترجمہ) تمہاری پیدائش اور تمہارا دوبارہ اُٹھایا جانا محض نفس واحدہ (کی پیدائش اور اٹھائے جانے) کے مشابہ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔

یہ وہ آیت ہے جو اس مضمون کو مزید آگے بڑھاتی ہے اور حیات بعد الموت کی تفہیم کیلئے ایک نئی راہ کھولتی ہے۔

موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا تعلق ہر فرد بشر کی پیدائش سے ہے۔ اگر نطفہ اور بیضہ کے ملاپ کی ابتدائی حالت پر غور کیا جائے اور پھر اس کے نتیجہ یعنی ایک صحیح سالم بچہ کی پیدائش کا تصور کیا جائے تو یہ سب بظاہر ناقابل یقین دکھائی دے گا۔ ذرا تصور کریں کہ معمولی سے بارآور بیضہ کا نو ماہ بعد ایک جیتے جاگتے اور بھاگتے دوڑتے بچہ کی شکل اختیار کر لینا کتنی عظیم تبدیلی ہے۔

ایسا شخص جس نے بار بار اس تبدیلی کے اس عمل کا مشاہدہ نہ کیا ہو وہ بارآور بیضہ کے صرف ابتدائی مراحل کو دیکھ کر اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ ایسا ہی وقوع میں آیا ہو گا۔ حیات بعد الموت اسی حیرت انگیز عمل سے مشابہ ہے۔ یعنی عدم سے نہایت درجہ ترقی یافتہ اور منظّم حیات کا وجود میں آنا۔

(کتاب، الہام، عقل، علم اور سچائی۔ صفحہ 417 تا 422)

جرمنی میں تبلیغ اسلام

مغربی جرمنی میں میرا پہلا دورِ تبلیغ

قسط دوم

(از قلم فضل الٰہی انوری، سابق مبلغ سلسلہ)

جماعت اور اس کی سرگرمیوں کا مختصر تعارف کرانے کے بعد حاضرین کو سوال کرنے کا موقع دیا جاتا۔ سوالات اور جوابات حاضرین کے مزاج اور ان کی علمی اور عقلی معیار کے مطابق ہوتے۔ مثلاً بچے اس قسم کے سوال کرتے کہ مسجد میں جاتے وقت جوتیوں کا اتارنا کیوں ضروری ہے۔ اذان عربی میں کیوں دی جاتی ہے۔ حج پر ایک غیر مسلم کیوں نہیں جا سکتا۔ ذرا بڑی عمر کے بچے سوال کرتے کہ اسلام میں مرد اور عورت میں مساوات کیوں نہیں۔ اسلام میں شراب پینا یا سؤر کھانا کیوں منع ہے، وغیرہ۔ بڑی عمر کے لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فلسفہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے یا یہ کہ اسلام میں دوسرے مذاہب کو برداشت کرنے کی کہاں تک گنجائش ہے۔ ان سوالوں کا جواب حسب ضرورت اور حسب توفیق دیا جاتا۔ یورپین لوگوں اور بالخصوص جرمنوں میں یہ خصوصیت ہے کہ مقرر کی تقریر انہیں پسند آئے یا نہ، مقرر کا شکریہ ضرور ادا کریں گے۔ پھر سوال کا جواب ان کے نزدیک غلط ہو یا صحیح وہ جواب سن کر خاموش ہو جائیں گے۔ اور سوال پر سوال یا کج بحثی پر نہیں اتریں گے۔ اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ میرے جوابات کہاں تک ان کی تسلی کرتے لیکن بعض مواقع پر اس قسم کی محفلوں میں ایک خاص رنگ پیدا ہو جاتا جو جملہ حاضرین اور مقرر کو محظوظ کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار سکول کے دس بارہ سال کے بچوں اور بچیوں کی ایک کلاس آئی ان کے ساتھ ان کا پادری ٹیچر بھی تھا۔ ایک بچے نے سوال کیا کہ مسلمان سؤر کا گوشت کیوں نہیں کھاتے۔ میں نے جواب دیا کہ مسلمان تو اس لئے نہیں کھاتے کہ قرآن کریم میں اس کے کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن آپ کو یہ سوال اپنے ٹیچر سے کرنا چاہئے کہ عیسائی لوگ سؤر کیوں کھاتے ہیں جب کہ بائیبل میں اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ میرا یہ جواب دینا تھا کہ سارے کے سارے بچے اپنے پادری ٹیچر کا مونہہ دیکھنے لگے۔ اور وہ تھا کہ یوں خاموش کھڑا رہا جیسے اچانک کسی صدمے سے دوچار ہو گیا ہو۔ بچے تھوڑی دیر تک اس کا مونہہ تکنے کے بعد خاموش ہو گئے۔ اور سمجھ گئے کہ ان کے ٹیچر کے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

ایک اور موقع پر جب کہ ایک چرچ کی تنظیم کے ممبران کی ایک پارٹی مسجد میں اپنے پادری کے ساتھ آئی۔ اور یہی سوال ان میں سے ایک نے اور پیرائے میں اٹھایا۔ اس نے کہا کہ قرآن نے سؤر کو کیوں حرام قرار دیا ہے۔ میں نے اس موقع پر جو جواب دیا اس نے ایسی فضاء پیدا کر دی جس سے اہل مجلس خوب خوب لطف اندوز ہوئے۔ سائل کے سوال کے جواب میں میرے مونہہ سے برجستہ نکلا کہ سؤر کو قرآن نے تو حرام قرار نہیں دیا، بائبل نے حرام قرار دیا ہے۔ قرآن نے تو بائبل کے اس حکم کی توثیق کی ہے۔ میرا یہ جواب دینا تھا کہ حاضرین مجلس پر جو سب کے سب ۴۰ سے ۵۰ سال کی عمر کے تعلیم یافتہ عیسائی تھے، سناٹا چھا گیا۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد میں نے خود اس خاموشی کو توڑا اور کہا کہ دیکھیں دنیا کی دو بڑی مذہبی کتب نے سؤر کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کی ضرور کوئی وجہ ہوگی۔ ہمیں مل کر اس وجہ کو تلاش کرنا چاہئے۔ میرے یہ کہنے پر جملہ حاضرین جو سب کے سب اچھے تعلیم یافتہ اور جہاں دیدہ معلوم ہوتے تھے ایک بار پھر خاموش ہو کر میری طرف بنظر استعجاب دیکھنے لگ گئے۔ ادھر میں خود بھی اس منظر سے بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس دوسرے سکتہ کو ایک بار پھر توڑتے ہوئے میں نے کہا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم نے اس حرمت کا تجزیہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خدا نے دنیا کے سارے جانور کھانے کے لئے پیدا نہیں کئے۔ کچھ کھانے کے لئے ہیں جن کو جائز قرار دیا ہے اور کچھ کھانے کے لئے نہیں جن کا گوشت ناجائز قرار دیا ہے۔ سؤر کی خصوصی ممانعت کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں یہ ایک ہی جانور ہے جس میں کچھ ایسی عادات ہیں جو اخلاقی نقطہ نگاہ سے معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ اور چونکہ خوراک کا اثر انسان کے روحانی قویٰ پر بھی پڑتا ہے اس لئے سؤر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تا کہ وہ اخلاقی کمزوریاں انسان کے اندر نہ پیدا ہو جائیں۔ اس جواب سے حاضرین کے چہروں پر ایک خاموش مسکراہٹ پیدا ہوئی اور میں نے بھی اس پر اکتفا کرتے ہوئے اس بارہ میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

جن سوالوں یا مسیحی اداروں نے مجھے ان کے پاس پہنچ کر اسلام کا تعارف کرانے کی دعوت دی۔ ان میں سے قابل ذکر شہر Darmstadt کے مضافات میں سے ایک قصبہ تھا جس کا نام اب یاد نہیں رہا۔ انہوں نے اگلے سال یعنی ۱۹۶۶ء کا تفریحی پروگرام تیار کرتے ہوئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے چار یا پانچ تقریریں اسلام کے اوپر رکھ کر سارے سال کا پروگرام چھاپ دیا۔ جس کی ایک کاپی مجھے بھجوا دی۔ اس طرح پر پورے سال کے لئے ہمارا تقریری پروگرام معین ہو گیا۔ میں جماعت کے کسی نہ کسی دوست کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ جو ہر تقریر کے بعد سلسلہ کا اس وقت تک شائع کردہ جرمن لٹریچر جن میں جرمن ترجمہ قرآن کریم سرفہرست تھا قیمتاً مہیا کرتے اور اس طرح تبلیغ اور جماعتی تعارف کا ایک عمدہ موقع پیدا ہو جاتا

اسی قسم کی ایک اور دلچسپ تقریب Offenburg میں ہوئی۔ یہ شہر فرانکفرٹ سے قریباً دو صد کلومیٹر جنوب کی طرف واقع ہے۔ وہاں کے اینگلیکن (پراٹسٹنٹ مذہب) پادری نے ٹیلیفون پر ایک دن مقرر کیا کہ میرے وہ آنے اور جانے کا کرایہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ میں حسب معمول تیاری کر کے اور ضروری ساز و سامان از قسم ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے لیس ہو کر اوفن برگ پہنچا۔ پادری صاحب مجھے لینے کے لئے سٹیشن پر پہنچے ہوئے تھے۔ ہم وہاں سے سیدھے ان کے چرچ میں پہنچے، جہاں پہلے ہی دو ڈھائی صد کی تعداد میں ان کے چرچ کے ممبران، کیا مرد، کیا عورتیں، چرچ کے اندر جمع تھے۔

پادری صاحب نے مجھے تقریر کے لئے بلانے سے قبل میرا اور جس مذہب سے میں تعلق رکھتا تھا، یعنی اسلام، کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آج کے دن کو ہم نے ،،اسلام کا دن،، قرار دیا ہے، اس کی مناسبت سے میں اس کی ابتداء اسلام کی کتاب یعنی قرآن کریم سے کرتا ہوں۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک جرمن ترجمہ قرآن کے نسخہ سے اس نے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ پڑھ کر سنایا۔

میں نے پہلے پادری صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ارکان اسلام کا تعارف کرایا۔ ٹیپ ریکارڈر سے اذان سنوائی۔ جس کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بتایا اور پھر جماعت کی ابتداء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی خبر دیتے ہوئے اسے انجیل کی مسیح کی آمد ثانی سے متعلق پیشگوئیوں پر چسپاں کیا۔

مجھے احساس ہے کہ ان لوگوں نے یقیناً پہلی بار ایک غیر عیسائی کی زبان سے مسیح کے ظہور ثانی کا یوں واشگاف الفاظ میں تذکرہ سنا ہوگا کیونکہ انہیں میں سے ایک نے اٹھ کر ایک ایسا غیر متوقع سوال کیا کہ خود مجھے بھی بہت حیرت ہوئی۔ اس نے کہا: آپ کہتے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی ہو چکی ہے اور وہ بھی آج سے ۸۰ سال پہلے۔ اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے اور ہمیں کانوں کان خبر نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سوال گویا ان جملہ حاضرین کی ترجمانی تھی جو اس وقت چرچ میں میرے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کیونکہ وہ سارے کے سارے میری طرف بنظر استعجاب دیکھنے لگ گئے کہ میں کیا جواب دیتا ہوں۔

میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ نے انجیل نہیں پڑھی۔ انجیل میں تو لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہا کہ میری دوبارہ آمد ایک چور کی مانند ہوگی۔ کہ جیسے چور رات کو آتا ہے اور اپنا کام کر کے چلا جاتا ہے اور گھر والوں کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اسی طرح میرا دوبارہ آنا ہوگا [۲] اور دوسرے اگر آپ نے پہلے یہ خبر نہیں سنی تو میں آج جو آپ کو سنانے آ گیا ہوں۔ بس یہ کہنا تھا کہ حاضرین عش عش کر اٹھے۔ یہ محفل بھی اتنی دلچسپ رہی کہ پورے تین گھنٹے جاری رہی۔ حاضرین میں اتنا جوش تھا کہ سوال پر سوال کر رہے تھے۔ آخر رات کے زیادہ گذر جانے پر پادری صاحب نے کہا کہ اب کوئی سوال نہیں ہوگا یا یہ کہا کہ اب صرف ایک آخری سوال ہوگا۔ بہر حال مجلس تو برخواست ہو گئی لیکن بعض لوگوں کا جوش دل ہی دل میں رہ گیا۔

پادری صاحب چرچ سے فارغ ہو کر مجھے اپنے گھر لائے۔ اپنے بیوی بچوں کا تعارف کرایا (اینگلیکن پادری بخلاف رومن کیتھولک پادریوں کے شادیاں کرتے ہیں اور رات بھر اپنے پاس مہمان رکھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے بھی ایک دو سوال کئے۔ اور کہا کہ چرچ میں میں نے کوئی سوال پوچھنا مناسب نہ سمجھا تا کہ دوسرے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔

یہ مارچ ۱۹۶۷ء کی بات ہے۔ میں نے پادری صاحب کو بتایا کہ ہمارے خلیفہ جو جماعت کے سربراہ اور بانی سلسلہ احمدیہ کے تیسرے جانشین ہیں عنقریب جرمنی تشریف لا رہے ہیں، میں آپ کو ابھی سے فرانکفرٹ آنے اور ان سے ملنے کی دعوت دیتا ہوں جسے انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ (باقی انشاء اللہ آئندہ)

---

۲ متی بات ۲۴، آیت ۴۴

شہر Reutlingen میں ہفتہ کلچر

شہر ”روٹلینگن“ کے VHS اسکول کی طرف سے اس کے ایک ہال میں ایک نمائش کا اہتمام کیا گیا جس میں پاکستان کے کلچر اور ثقافت کو تصویری شکل میں دکھایا گیا۔ لوکل امارت کے احباب نے اس نمائش کی تیاری میں اسکول کے انچارج برائے نمائش اور نمائندہ پولیس کی بھرپور مدد کی اور اس نمائش کا نام PAKISTAN LAND UND LEUTE رکھا۔

نمائش میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک بڑی تصویر کے ساتھ آپ کے حالاتِ زندگی، جماعت احمدیہ کا تعارف، اور دعویٰ مسیحت کے بارے میں درج تھا۔ مزید محترم سر ظفراللہ خان صاحبؓ مرحوم اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مرحوم کی تصاویر اور حالات زندگی بھی بڑے بڑے فریموں میں سجائے گئے۔ جب سکول ٹیچر کو لوکل امیر صاحب نے جماعت احمدیہ مسلم کے تعارف کے ساتھ ان مشہور شخصیات کا تعارف کروایا تو وہ حیران رہ گئے کہ مسلمانوں میں بھی ایسی قابل شخصیات ہیں۔ انتظامیہ نے برملاء اظہار کیا کہ ان دونوں شخصیات کی تصاویر آویزاں کر کے ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح ہزاروں لوگوں تک اسلام احمدیت کا پیغام پہنچا۔

(رپورٹ عبدالمجید خان جنرل سیکرٹری لوکل امارت REUTLINGEN)

Vol. 12 Monthly Akhbar-e-Ahmadiyya Germany Issue 12
National Shoba Tasneef, Ahmadiyya Muslim Jamaat, Genfer Str.11, 60437 Frankfurt/M, Tel:069-50688652, Fax:069-50688666, Email: akhbar3@yahoo.com

قسط چہارم

پَسِ دیوارِ برلن

محمد انیس دیالگڑھی

15 نومبر کے روز دس بجے بس میں وارد ہوئے تو ہمیں برلن شہر کے اُن حصوں کی سیر کروائی گئی جو ہم نے اس سے قبل نہیں دیکھے تھے۔ دیوارِ برلن کے وہ حصے بھی دیکھے جو بطور نمونہ سیاحوں کو دکھانے کی غرض سے اصلی حالت میں اُسی طرح کھڑے ہیں۔ 1984ء میں خاکسار نے دیوار برلن اپنی اصل حالت میں دیکھی تھی۔ اُس وقت دیوار کے پاس کھڑے ہو کر یہی سوچا کرتا تھا کہ ’’کبھی تو گرے گی یہ دیوار مضطر‘‘۔ اب یہ دیوار گر چکی ہے اور ماضی کے اوراق میں جگہ بنا رہی ہے حالیہ سفر میں اس دیوار کے بچے کھچے حصّوں کے پاس کھڑے ہو کر میں سوچ رہا تھا کہ سنگ و خشت کی دیواریں گر بھی جائیں تو انسان کے اندر کی دیواریں نہیں گرتیں۔ انسان خود ہی یہ دیواریں کھڑی کرتا ہے اور پھر انکا گرانا اس پر بہت گراں گذرتا ہے اور اگر گرا بھی دے تو کچھ نہ کچھ حصے ضرور کھڑے رہنے دیتا ہے۔ واہ رے اشرف المخلوقات۔

’’کس سے کھل سکتا ہے پیچ اِس عُقدۂ دشوار کا‘‘

شہر کے بعض حصوں کی سیر کے بعد یہودیوں کے قتل عام کی یادگار دیکھنے کے لیے گئے۔ ایک بڑے سے کُھلے میدان میں 2711 کنکریٹ کے بلاکس بنا کر کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ ان بلاکس کی تعداد کا یہودی مقتولین کی تعداد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں چونکہ اس میدان میں اتنے بلاکس آسکتے تھے لہٰذا 2711 بلاکس رکھ دیئے گئے۔ کیوں بلاکس ہی بنائے گئے، اور کوئی چیز یا عمارت یا مینار کیوں نہ بنایا گیا۔ اس بارہ میں امریکن آرکیٹکٹ PeterEisenmann نے صرف اتنا سوچا کہ کوئی اچھوتا خیال یا انوکھی یادگار ہونی چاہئے۔ جس میدان میں یہ کنکریٹ کے بلاکس بنا کر رکھے گئے ہیں اس کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ جہاں ایک میوزیم بنایا گیا ہے۔ تمام ہالز میں تصاویر سلائیڈ، ویڈیوز اور یہودیوں پر ہونے والے ظلم پر مبنی دوسری معلومات آویزاں کی گئی ہیں۔ ظلم و ستم کی یہ داستان بہت دردناک بلکہ وحشت ناک ہے۔ ان مظالم کو سوچ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ انسان دوسرے انسان کے ساتھ اسقدر ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک بھی کر سکتا ہے اور یہ ستم توڑنے والی وہ اقوام ہیں جو اپنے آپ کو مہذب، روشن خیال اور امن کا علمبردار سمجھتی ہیں۔ ظلم و بربریت کی یہ داستان کوئی پرانی نہیں بلکہ پچھلی صدی کا واقعہ ہے یورپین لوگ اسلام پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور آج بھی اسلام کے بانی اور رحمۃ اللعالمین ﷺ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے چودہ سو سال قبل چند یہودیوں کو قتل کروا دیا۔ اول تو یہ اعتراض ہی سراسر جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔ مگر اعتراض کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود یہودیوں کا قتل وغارت اس بے دردی سے کیا کہ کوئی ظالم درندہ بھی انسان سے یہ سلوک نہ کرے اور وہ بھی اس مہذب دور میں۔ یہ اعداد و شمار دس بیس یا سو ہزار نہیں بلکہ لاکھوں تک پہنچتے ہیں۔ انہی امن کے علمبرداروں نے ان گنت جنگیں لڑیں، دنیا کی بڑی بڑی جنگیں لڑنے کا سہرا بھی انہی مغربی قوموں کے سر ہے۔ انہوں نے ہی انسان کی تباہی کے لیے خوفناک اور تباہ کُن ہتھیار بنائے اور پھر انکو استعمال بھی کیا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کی کہانی تو عام ہے مگر بہت سے دوسرے شہر بھی ایسے ہیں جو ایک ہی رات میں زمین دوز کر دیئے گئے۔ ہمبرگ شہر پر ایک رات میں اسقدر بمباری کی گئی کہ چالیس ہزار سے زائد لوگ ہلاک ہوئے۔ برلن پر اندھادھند بمباری کی گئی جو کئی ماہ تک جاری رہی، ہزارہا لوگ ہلاک ہوئے اور لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ ڈریسڈن شہر پر ایک رات میں اسقدر بمباری کی گئی کہ یہ شہر ایک رات میں ملیامیٹ ہو گیا۔ آج بھی اس خوفناک بمباری کی یاد میں اس شہر کے باہر ایک بورڈ آویزاں ہے۔ میونخ، فرنکفرٹ، کولون، آخن، اور اس طرح دیگر تمام شہروں پر بم برسائے گئے اور آج بھی یہ مہذب اقوام امن و امان کے نام پر شہروں کے شہر پھونک رہی ہیں اور انسانوں کو ہلاک کر رہی ہیں اور دنیا کی اقتصادیات، معیشت، امن اور ماحول کو بھی تباہ کر رہے ہیں مگر کہتے یہی ہیں کہ یہ سب تباہی اور قتل وغارت تو امن قائم کرنے کی غرض سے ہے۔ (اور جب اُن سے کہا جائے (کہ) زمین میں فساد نہ کرو، تو کہتے ہیں ’’ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ البقرۃ:۱۲) یہودیوں پر ہونے والے ان مظالم کی داستان نہایت ہی خوفناک ہے اور انسان پر لرزہ طاری کر دیتی ہے۔ ظلم و بربریت کی اس کہانی کو پڑھتے پڑھتے میرا خیال پاکستان میں احمدیوں پر ہونے والے مظالم کی طرف چلا گیا اور مجھے خیال آیا کہ احمدی مسلمانوں کے ساتھ بعض ڈکٹیٹر یہی سلوک کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنی زبان سے اسکا اظہار بھی کیا۔ ایک نے کہا کہ میں ان کے ہاتھوں میں کشکول پکڑا دوں گا۔ اور پھر اپنی زندگی کی بھیک مانگتا ہوا پھانسی پر چڑھ گیا۔ دوسرے نے کہا کہ اس کینسر کو میں ختم کروں گا۔ کینسر کے مریض کا جسم اندر سے تو ختم ہو چکا ہوتا ہے مگر عموماً جسم کے بیرونی حصے محفوظ رہتے ہیں، مگر اس ڈکٹیٹر کے جسم کے ٹکڑے بھی محفوظ نہ رہے۔ نہ آسمان نے قبول کیا نہ زمین نے۔ اور ہمارے قادر توانا خدا نے ہم کمزوروں کے ساتھ وہ سلوک نہیں ہونے دیا جو یہ ظالم کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے خدا نے ہمیں نہ صرف ظالموں کے ظلم سے نجات دی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ طاقتور بنا دیا۔ تعداد میں بھی اور مال و دولت میں بھی (ذالك فضل الله يو تيه من يشاء)

غزل

﴿کلام فہمیدہ منیر﴾

جذبوں کا جنوں سمجھے اشکوں کی زباں سمجھے
ہے کون یہاں ایسا جو دردِ نہاں سمجھے
دھندلائی سی نظریں ہیں اور زعمِ جہاں بینی
اِک ابرِ کرم دیکھا تم اس کو دھواں سمجھے
ہتھیار دعاؤں کے اور صبر کے بھالے ہیں
شمشیر جسے سمجھے تم جس کو سَناں سمجھے
افلاک سے پڑتی ہیں جو اپنے ہی پیاروں پر
ان پیار کی نظروں کو سب لوگ کہاں سمجھے
آنے کو ہے گلشن میں تابندہ بہار اب کے
کچھ دیر کا ہے لوگو یہ دورِ خزاں سمجھے
یہ درد کے سودے ہیں خوں دے کے چکائینگے
جاں دے کے بھی ارزاں ہیں تم جن کو گراں سمجھے
پھولوں سے اٹا گلشن یا زخم بھرا دل ہے
شبنم ہے کہ آنسو ہیں یہ نوکِ سنا سمجھے
دل عشق کی لہروں میں سرشار مگن، گم ہے
بہتی ہوئی ندی میں کشتی ہے رواں سمجھے
لمحاتِ جدائی کا اس دل سے مزا پوچھو
ہاں زیست کا حاصل ہے یہ برقِ تپاں سمجھے
آنکھوں میں رُکے آنسو بہتے ہیں نہ تھمتے ہیں
ہے کوئی جہاں میں جو آنکھوں کی زباں سمجھے
اُلفت کے قرینوں سے واقف نہیں شاید وہ
ہے جس کو خدا پیارا کب سود و زیاں سمجھے
مولا تیرے جلوں کی بہتات سے جی اُٹھے
اب ضبطِ غمِ دل ہے چہروں سے عیاں سمجھے

دل ٹوٹ کے گرنے کی پنج وقتہ صدا آئی
یہ کیسے نمازی ہیں اس کو ہی اذاں سمجھے
عظمت تیری چوکھٹ سے اُٹھے تو کوئی جانے
کیا اس پہ گزرتی ہے کب کوئی یہاں سمجھے

(از کتاب ’’بکھری ریت پہ چاند کی کرنیں‘‘)